محمد الیاس خان

روس کے پارلیمانی انتخابات اور اُن کے نتائج

۱۷ دسمبر (۹۵ء) کو رشین فیڈریشن میں پارلیمانی انتخابات منعقد ہوئے۔ انتخابات سے قبل یہ پیش گوئیاں کی جارہی تھیں کہ روسی رائے دہندگان گوناگوں اقتصادی اور معاشرتی مسائل کا شکار ہونے کی بنا پر انتخابات میں بہت کم دلچسپی دکھائیں گے۔ یہ پیش گوئیاں صحیح ثابت نہیں ہوسکی ہیں۔ اب تک آمدہ اطلاعات کے مطابق پینسٹھ فیصد ووٹروں نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا۔ اگرچہ انتخابات کے حتمی نتائج ابھی تک سامنے نہیں آسکے ہیں تاہم کمیونسٹ پارٹی اور ژرنوفسکی کی قوم پرست لبرل ڈیموکریٹک پارٹی کو توقع کے مطابق نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔ انتخابی مہم میں کمیونسٹوں نے جارحانہ رویّہ اپنایا۔ اور روس کی تمام مشکلات کے لیے یلسن انتظامیہ کی جمہوری اور اقتصادی اصلاحات اور اُن کے غلط طریقِ کار کو ذمّہ دار ٹھہرایا۔ سرکاری پارٹی اور دیگر اصلاحات پسند عناصر کو مسلسل دفاعی پوزیشن اختیار کرنا پڑی۔ انتخابات کے نتائج سے واضح ہوتا ہے کہ آزاد امیدوار بھی نئی پارلیمنٹ میں ایک مؤثر قوت کا کردار ادا کریں گے۔ توقع ہے کہ آزاد امیدواروں کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ ہوگی۔ اِن آزاد امیدواروں کی سیاسی وابستگیوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ بہت حد تک یہ کہا جاسکتا ہے کہ آزاد امید ایک مؤثر پریشر گروپ کا کردار ادا کریں گے۔

دسمبر میں منعقد ہونے والے روسی پارلیمانی انتخابات کے انعقاد سے بہت عرصہ قبل ہی سے صدر یلسن اور اُن کی حکومت کے اہل کاروں پر یہ خوف غالب رہا ہے کہ اِن انتخابات کے نتیجے میں اُنہیں اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑسکتے ہیں۔ اگست اور اکتوبر میں بعض علاقائی انتخابات میں کمیونسٹ عناصر کی زبردست کامیابی نے کریملن کے حکمرانوں کے ان خدشات کو مزید تقویت پہنچائی۔ یکم اکتوبر کو ولگوگراڈ کی علاقائی پارلیمنٹ کے لیے منعقد ہونے والے انتخابات میں کمیونسٹوں نے پارلیمنٹ کی ۲۴ نشستوں میں سے ۲۲ پر کامیابی حاصل کی[۱]۔ ولگوگراڈ کے میئرشپ [یا گورنر کے منصب] کے لیے منعقد ہونے والے انتخابات میں بھی ایک ایسے شخص نے کامیابی حاصل کی جس نے انتخابات سے قبل وزیر اعظم چرنومیردین کی پاٹی "Our Home is Russia" سے علیٰحدگی اختیار کرلی تھی۔ نومنتخب میئر [یا گورنر] ۴۶ سالہ چیخوف کو چار سال قبل صدر یلسن نے ولگوگراڈ کا گورنر نامزد کیا تھا۔ چیخوف

نے اپنی سیاسی وفاداریاں بدلتے ہوئے سرکاری پارٹی سے علحیدگی کا اعلان کیا۔ چنانچہ کمیونسٹوں نے اِن کی حمایت اور تائید کا فیصلہ کیا اور ان کے خلاف انتخاب لڑنے کے لیے امیدوار نامزد نہیں کیا[۲]۔

انتخابی مہم کی ابتداء سے قبل انتخابات میں شرکت کی خواہشمند سیاسی پارٹیوں کی رجسٹریشن کے مرحلہ میں اِس وقت ایک بحران کی کیفیت پیدا ہو گئی جب مرکزی الیکشن کمیشن نے دو سیاسی پارٹیوں اور آزاد امیدواروں کے ایک گروپ کو تکنیکی وجوہات کی بنا پر انتخابات میں شرکت کے لیے نااہل قرار دے دیا۔ ہفتہ ۲۸ اکتوبر کو الیگزنڈر رٹسکوئی کی "درژاوا تحریک" [پارٹی] کو اِس بنا پر انتخابات میں شرکت کے لیے نااہل قرار دیا گیا کہ اُس کے ۲۷۰ امیدواروں میں سے ۸۶ نے اپنے کاغذات نامزدگی واپس لے لیے تھے[۳]۔

الیگزنڈر رٹسکوئی روس کے سابق نائب صدر رہ چکے ہیں۔ وہ صدر بورس یلسن کے زبردست مخالفین میں شامل ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں اُنھوں نے صدر بورس یلسن کے خلاف پارلیمان کی بغاوت میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اُن کی پارٹی "گریٹ پاور پارٹی" نے دو لاکھ ووٹروں کی تائید کا ثبوت پیش کرنے کی شرط کو بھی پورا کر دیا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کے ۲۷۰ امیدواروں میں سے ۸۶ کی طرف سے انتخابات میں شرکت سے دستبرداری کو انتخابات میں شرکت کے لیے اس کی نااہلی کا سبب بتایا گیا۔ دوسری طرف وزیر اعظم چرنومیر دین کی پارٹی "ہمارا گھر روس ہے" کو، اِس حقیقت کے باوجود کہ اُس کے ۲۶۱ امیدواروں میں سے ۴۹ نے انتخابات میں شرکت سے دستبرداری کا اعلان کیا تھا، انتخابات میں شرکت کے لیے رجسٹر کر لیا گیا۔ مرکزی الیکشن کمیشن کے اِس دوہرے معیار نے نہ صرف روسی سیاسی حلقوں میں تشویش کی لہر پیدا کی بلکہ اسے بین الاقوامی حلقوں اور خاص کر مغرب میں بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا[۴]۔

اس سے اگلے دن یعنی اتوار ۲۹ اکتوبر کو روسی ماہر اقتصادیات گریگوری یافلنسکی کی "یبلوکو" پارٹی کو محض اس بنا پر انتخابات میں حصّہ لینے کے لیے نااہل قرار دے دیا گیا کہ اُس نے اپنے امیدواروں کی فہرست میں سے ۶ نام الیکشن کمیشن کی منظوری کے بغیر خارج کر دیے تھے۔ الیکشن کمیشن کے اس فیصلے کے خلاف زبردست ردّعمل سامنے آیا۔ دائیں بازو کی اصلاحات پسند پارٹی "روس کی جمہوری پسند" [Russia's Democratic Choice] کے سربراہ سابق وزیر اعظم یے گور گیدر نے کمیشن کے فیصلے کو زبردست تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا "اگر یبلوکو پارٹی کو انتخابات سے دور رکھا گیا تو یہ [انتخابات] محض ڈھونگ ہوں گے۔ اس صورت میں ہم ان نمائشی انتخابات میں شریک نہیں ہوں گے۔"

خود متاثرہ پارٹی کے سربراہ یافلنسکی نے کمیشن کے اس فیصلہ کو ناپسندیدہ سیاسی عناصر کا صفایا کرنے کا عمل [political purge] قرار دیتے ہوئے کہا "یہ قانونی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ دراصل

مطلق العنان حکمرانی کا پیدا کردہ مسئلہ ہے۔" انھوں نے مزید کہا "ہم کمیشن کے اس فیصلہ کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، ہم اس کو روسی سپریم کورٹ میں چیلنج کریں گے۔" سٹینفورڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر میک فاؤل [Mc Faul] نے روسی الیکشن کمیشن کے اس فیصلہ پر اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا "کمیشن کی حیثیت روسی انتظامیہ کے اوزار کی ہے۔ اس کا مقصد انتظامیہ کی خواہشات کی تکمیل کرنا ہے۔"[۵] الیکشن کمیشن کے اس فیصلے کے نتیجے میں روسی سیاسی حلقوں میں ان خدشات کا کھلے عام اظہار کیا جانے لگا کہ الیگزنڈر رٹسکوئی کی درژاوا تحریک اور گریگوری یافلنسکی کی یبلوکو پارٹی کو انتخابات سے دور رکھنے کا مقصد دائیں بازو کے اصلاحات پسند رائے دہندگان کے حق انتخاب کو محدود کرنا ہے اور اُنہیں اس امر پر مجبور کرنا ہے کہ وسیع تر انتخاب کی عدم موجودگی میں وہ وزیر اعظم چرنومیردین کی پارٹی "ہمارا گھر روس ہے" کے امیدواروں کو ووٹ دیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ کمیونسٹ پارٹی کی مقبولیت کا توڑ کرنے میں ناکامی کے بعد حکومت اصلاحات پسند رائے دہندگان کو غیر قانونی طریقے سے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے سرکاری پارٹی کے علاوہ تمام قابلِ ذکر اصلاحات پسند پارٹیوں کو انتخابات سے دور رکھنے کے پروگرام پر عملدرآمد کا ارادہ رکھتی ہے[۶]۔ واضح رہے کہ اصلاحات پسندوں کے بعض چھوٹے گروپوں اور پارٹیوں سے حکومت کو نسبتاً کم خطرہ تھا کیونکہ اس بات کا امکان کم تھا کہ وہ متناسب نمائندگی والے حلقہ ہائے انتخاب میں سیٹوں کے حصول کے لیے پانچ فیصد ووٹ حاصل کرنے کی شرط پورا کر لیں گی۔

الیکشن کمیشن کے اس فیصلہ پر ایک ہفتہ تک طویل بحث و مباحثہ کا اس وقت خاتمہ ہوا جب جمعہ ۳ نومبر کو درژاوا پارٹی کے سربراہ الیگزنڈر رٹسکوئی کی اپیل منظور کرتے ہوئے روسی سپریم کورٹ نے الیکشن کمیشن کو درژاوا پارٹی کی الیکشن میں شرکت کے لیے رجسٹریشن کرنے کا حکم دیا۔ اس سے اگلے ہی روز ہفتہ ۴ نومبر کو سپریم کورٹ نے یبلوکو پارٹی کے سربراہ گریگوری یافلنسکی کی اپیل بھی منظور کر لی[۷]۔

بعض چھوٹی پارٹیوں نے متناسب نمائندگی والے حلقہ ہائے انتخاب میں سیٹوں کے حصول کے لیے پانچ فیصد ووٹوں کے حصول کی شرط کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے انتخابی قوانین کو روس کی دستوری عدالت میں چیلنج بھی کیا۔ چنانچہ نومبر کے وسط میں انتخابات کا انعقاد ہی مشکوک نظر آنے لگا۔ صدر یلسن نے ماسکو کے سنٹرل کلینیکل ہسپتال سے، جہاں وہ عارضہ قلب کے علاج کے لیے اکتوبر کے اواخر میں داخل کرائے گئے تھے، اس بات پر زور دیا کہ انتخابات کے بروقت اور پروگرام کے مطابق انعقاد کو یقینی بنایا جائے[۸]۔

انتخابی مہم کی ابتداء ہی میں [اکتوبر کے آخری ہفتہ میں] صدر بورس یلسن کو دوسری بار عارضہ قلب میں مبتلا ہونے کے بعد ماسکو کے مرکزی ہسپتال میں داخل کرایا گیا۔ صدر یلسن کو ڈاکٹروں کی طرف

سے ایک ماہ تک ہسپتال میں زیرِ علاج رہنے کے لیے کہا گیا۔ صدر یلسن کی کریملن سے دوری نے متعدد خدشات کو جنم دیا۔ عام خیال یہ تھا کہ زمام اقتدار پر صدر کی گرفت ڈھیلی ہو گئی ہے۔ چنانچہ وزیر اعظم چرنومیر دین اِن کی جگہ لینے کے لیے پر تول رہے ہیں۹۔ صدر یلسن کی کریملن سے غیر حاضری اور اُن کی طرف سے خرابیٔ صحت کی بنا پر عہدہ صدارت سے ممکنہ استعفیٰ یا اُن کی متوقع وفات کی صورت میں اقتدار کی جنگ کیا صورت اختیار کرے گی؟ یہ ایسا سوال تھا جو روسی عوام کو پریشانی میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔ روسی عوام، جو غیر متوقع تبدیلیوں اور انقلابات سے انتہائی خوفزدہ ہیں، صدر یلسن کے اچانک منظر عام سے غائب ہونے کے نتیجے میں ہونے والی متوقع سیاسی اتھل پتھل سے سراسیمہ نظر آنے لگے۔ جمہوری حلقوں کی طرف سے صدر یلسن کی خرابیٔ صحت کو جمہوری اصلاحات کے مستقبل کے لیے ایک بد شگون قرار دیا گیا۔ ان کا تجزیہ یہ تھا کہ صدر یلسن چونکہ رجعت پسندوں کے خلاف توازنِ قوت کی علامت ہیں۔ اس لیے اُن کی سیاسی میدان میں موجودگی ضروری ہے۱۰۔ صدر یلسن پورے انتخابی عمل کے دوران ہسپتال میں رہے اور اِس دوران ان کے متوقع جانشینوں کے بارے میں رائے زنی کا عمل جاری رہا۔ آخر کار وہ جمعہ ۲۹ دسمبر کو ہسپتال سے فارغ ہو کر کریملن واپس آئے جہاں انہوں نے صحافیوں سے بات چیت کے دوران میں جمہوری اصلاحات کے پروگرام کو جاری رکھنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا "ہم کسی کو اِس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ہمیں اصلاحات کے پروگرام کو ترک کرنے پر مجبور کر دے۔"۱۱ بظاہر وہ ۱۷ دسمبر کو پارلیمانی انتخابات میں کمیونسٹوں اور قوم پرستوں کی کامیابی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ روسی دستور کے مطابق صدر وسیع تر اختیارات کے مالک ہیں۔ وہ سادہ اکثریت سے کیے گئے پارلیمنٹ کے فیصلوں کو ویٹو کر سکتے ہیں۔ صدر کے ویٹو کے اختیار کو صرف اس صورت میں ناکارہ بنایا جا سکتا ہے جب پارلیمنٹ دو تہائی اکثریت سے قانون سازی کرے۔ صدر کسی کو بھی وزیر اعظم کے طور پر نامزد کر سکتے ہیں اور جب پارلیمنٹ دو بار صدر کے نامزد وزیر اعظم کو مسترد کر دے تو صدر کو پارلیمنٹ برخواست کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

انتخابی مہم کے دوران روس کے انتخابی قوانین کا ایک اور سقم منظرِ عام پر آیا۔ روسی انتخابی قوانین کے مطابق صرف ایسے افراد انتخابات میں شرکت کے لیے نااہل ہیں جو جرم کی سزا کے طور پر جیل کاٹ رہے ہوں۔ سابق سزا یافتہ مجرمان یا ایسے ملزمان جن کے خلاف عدالتوں میں مقدمات چل رہے ہوں، انتخابات میں شرکت کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف پارلیمنٹ کے منتخب ممبران کو قانونی کاروائی سے استثناء حاصل ہے۔ چنانچہ انتخابی امیدواروں کی فہرستوں میں ایسے افراد کے نام شامل تھے جن کا منظم جرائم سے تعلق تھا۔ جرائم کی دنیا کے یہ شہنشاہ پارلیمنٹ کے ممبران کو حاصل قانونی استثناء کے ذریعے قانون کے شکنجے سے بچاؤ کی تدابیر کرنا چاہتے تھے۔ روسی الیکشن کمیشن نے ایسے افراد کی فہرست پریس کو جاری کرتے ہوئے کہا "ہم نے یہ فہرست پریس کو جاری کرنے کا فیصلہ اِس لیے کیا

تاکہ بحیثیت شہری ہم روسیوں کو یہ اندازہ ہو کہ ہماری نئی پارلیمنٹ میں کس قسم کے لوگوں کی آمد متوقع ہے۔" مغربی سیاسی تجزیہ نگاروں نے بھی روسی انتخابی قوانین میں ممبران پارلیمنٹ کو حاصل قانونی چارہ جوئی سے استثناء کی شقوں کو ہدف تنقید بنایا[۱۲]۔

ابتداءً انتخابی عمل میں شرکت کے لیے ۲۶۲ سیاسی پارٹیوں کو رجسٹر کیا گیا لیکن مختلف ہم خیال پارٹیوں میں گروپ بندیوں اور اتحاد کے بعد انتخابات میں حصّہ لینے کے لیے صرف ۴۳ پارٹیاں اور گروپ میدانِ عمل میں رہ گئیں۔ رائے عامہ کی تجزیاتی رپورٹوں کے مطابق کمیونسٹ پارٹی کی مقبولیت سب سے زیادہ تھی۔ نومبر کے وسط میں ازوستیا اخبار میں چھپنے والے ایک 'opinion poll' کے مطابق کمیونسٹ پارٹی کو ۲۲ فیصد رائے دہندگان کی تائید حاصل تھی۔ تجزیہ کے نتائج کے مطابق وزیر اعظم چرنومیردین کی پارٹی "ہمارا گھر روس ہے" اور یافلنسکی کی "یبلوکو" پارٹی دوسرے نمبر پر تھیں۔ عام طور پر یہ خیال کیا جارہا تھا کہ انتخابی عمل میں حصّہ لینے والی ۴۳ پارٹیوں اور چھوٹے گروپوں میں سے زیادہ سے زیادہ دس ہی متناسب نمائندگی والے حلقہ ہائے انتخاب میں پانچ فیصد ووٹ حاصل کرنے کی شرط پر پورا اتر سکیں گی[۱۳]۔

آخر کمیونسٹوں کی اس بڑھتی ہوئی عوامی مقبولیت کا راز کیا ہے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے روسی معیشت کی بگڑتی ہوئی صورتحال کا طائرانہ جائزہ لینا ضروری ہے۔ صدر یلسن اور اُن کی حکومت کی سست رفتار اقتصادی اصلاحات کے نتیجے میں روس مرکزیت پسند کمیونسٹ معیشت سے آزاد منڈی کی معیشت کی طرف انتقال کے جس عبوری دور سے گزر رہا ہے، اُس کے نتیجے میں جہاں نودولتیوں کا طبقہ امیر سے امیر تر ہوتا جارہا ہے وہاں اس نے شدید ترین افراطِ زر کو جنم دیا ہے۔ جس کی وجہ سے عام شہری اور خاص کر پنشن پر گزارہ کرنے والے بوڑھوں کی قوّتِ خرید ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ نج کاری اور مغربی طرز کی آزاد منڈی کی معیشت کی پالیسیوں نے روس میں امیر اور غریب کے درمیان خلیج کو وسیع تر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ایک طرف شہریوں کی اکثریت ضروریاتِ زندگی کے لیے ترس رہی ہے تو دوسری طرف مالداروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو رہا ہے جنہیں اپنے خزانوں کا کوئی مصرف ملک میں نظر نہیں آتا۔ چنانچہ وہ اپنی تجوریوں کو مغربی ممالک میں منتقل کر رہے ہیں۔

آج کے جمہوری روس میں ملک کی کل پندرہ کروڑ آبادی کا تیس سے پینتیس فیصد حصّہ غربت کی سطح سے کم تر زندگی گزار رہا ہے۔ ملک کی کل آبادی کا تقریباً ایک چوتھائی [۳۵ ملین] پنشن پر گذراہ کر رہا ہے۔ پنشن پر گذارہ کرنے والے ان ۳۵ ملین بوڑھے افراد کی ماہانہ پنشن تقریباً ۲۵ ڈالر ہے۔ جو حکومت کی طرف سے مقرر کردہ کم از کم مشاہرہ کے نصف سے بھی کم ہے۔ ۱۹۹۰ء کے بعد چار سال میں ملک کی مجموعی پیداوار میں پچاس فیصد کمی ہوئی ہے۔ پچھلے ایک سال میں مجموعی قومی پیداوار

میں مزید پچھتر فیصد کمی ہوئی ہے۔ نج کاری کا عمل ناکامی کا شکار ہے۔ تمام ایسی بڑی صنعتیں یا کارخانے جو مالی بحران کی وجہ سے بندش کے خطرات کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں اُنہیں اِن صنعتوں سے متعلق افسران اور بیوروکریٹس کے ہاتھ بیچ دیا جاتا ہے۔ لیکن نج کاری کے اس عمل سے کوئی بنیادی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ ان صنعتوں کے نئے مالکان ان صنعتوں کی بندش کی دھمکی دے کر حکومت سے مراعات اور سبسیڈیز حاصل کر لیتے ہیں۔ اور یوں یہ صنعتیں اور کارخانے بدستور ریاستی خزانے پر بوجھ بنے رہتے ہیں۔

۱۹۹۰ء میں ایک روبل تقریباً ایک ڈالر کے برابر تھا۔ آج کھلی مارکیٹ میں ایک ڈالر کے بدلے میں ۵۰۰۰ [پانچ ہزار] سے ۵۵۰۰ [پانچ ہزار پانچ سو] تک روبل حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ ملکی پیداوار میں زبردست کمی کی وجہ سے پچاس فیصد سے زائد اشیائے صرف درآمد کرنی پڑ رہی ہیں۔ جن کی قیمتیں اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ عام آدمی صرف اُنہیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ سکتا ہے خرید نہیں سکتا۔ روسی برآمدات سے ہونے والی آمدنیوں کو نجی شعبہ کے نئے مالکان امریکہ، سوئٹزرلینڈ اور دیگر مغربی دارالحکومتوں کے بنکوں میں جمع کرا رہے ہیں۔ ایک سروے کے مطابق لندن میں روسی نودولتیوں کی طرف سے خریدی گئی جائیدادوں کی مالیت برطانیہ کی طرف سے پچھلے پانچ سال کے دوران میں روس کو دی جانے والی کل معاشی امداد سے تجاوز کر گئی ہے۔

بعض اشیائے صرف کی قیمتیں سات سو گنا تک بڑھ گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے معیار زندگی انتہائی پست ہو گیا ہے۔ غریب ترین شہریوں کا، جو کل آبادی کا بیس فیصد بنتے ہیں، قومی دولت میں حصہ پانچ فیصد کے برابر ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ملازمین کو تنخواہیں کئی ماہ سے نہیں ادا کی جا رہی ہیں۔ پچھلے پانچ سال میں اوسط عمر کی حد ۶۵ سال سے کم ہو کر ۵۷ سال ہو گئی ہے۔ تمام ایسی بیماریاں، جن کا غربت اور فقر کے ساتھ گہرا رشتہ ہے، روسی معاشرے میں از سرِ نو پھیل رہی ہیں۔ پانچ سال قبل روس میں جرائم کی شرح، کم از کم سرکاری اعداد و شمار کے مطابق، دنیا میں سب سے کم تھی۔ آج روس منظم جرائم اور مافیا گروہوں کا گڑھ ہے۔ بے روزگار افراد کی تعداد ڈھائی کروڑ تک پہنچ چکی ہے۔ اور یہ تعداد مزید بڑھ رہی ہے۔ کام کرنے والی عورتوں کی حالت مردوں کی نسبت زیادہ خراب ہے۔ انہیں مردوں کی نسبت ۶۰ فیصد کم تنخواہ ملتی ہے۔

نوجوان لڑکیوں میں جسم فروشی کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اخلاقی انحطاط اپنی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ دھندہ کرنے والی لڑکیوں اور عورتوں کو بھی جرائم مافیا کے اہل کاروں کو اپنی آمدنی کا بیس فیصد بطور غنڈہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔

دس فیصد امیر ترین آبادی کا کسی نہ کسی شکل میں مافیا گروہوں سے تعلق قائم ہے۔ یہ مافیا گروہ دولت کے حصول اور ساتھ ساتھ قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ قتل، لوٹ مار،

ڈاکہ زنی، چوری اور بلیک میلنگ سب کچھ ان کے نزدیک جائز ہے۔ طبقہ اشرافیہ کے جرائم کی دنیا سے تعلق کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ انتخابات میں کسی بھی ایسی سیاسی پارٹی کے انتخابی امیدواروں کی لسٹ میں شمولیت کی قیمت ڈھائی لاکھ ڈالر تک پہنچ گئی تھی جس کے بارے میں توقع تھی کہ وہ پانچ فیصد ووٹوں کے حصول کی شرط پر پورا اتر سکے گی۔ وجہ صاف ظاہر تھی کہ نودولتیے اور نج کاری کی بدولت کروڑوں کی جائیدادوں اور صنعتوں کے مالک بن جانے والے طبقہ اشراف کے افراد ممبران پارلیمنٹ کو حاصل قانونی چارہ جوئی سے استثناء کے استحقاق کو ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے تھے۔

مسلح افواج میں ملک کی سیاسی اور فوجی قیادت کے خلاف نفرت کے جذبات گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ فوجیوں میں نظم و ضبط کا فقدان ہے۔ قیادت کے خلاف بغاوت اور خود سری کے جذبات سر اٹھا رہے ہیں۔ نج کاری کے بعد توانائی، اطلاعات اور وسائل نقل کی مالک کمپنیاں عدم ادائیگی واجبات کے سبب فوجی تنصیبات، چھاؤنیوں اور دفاع سے متلق اداروں کو سپلائی منقطع کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ صورت حال کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صدر یلسن کو اس سلسلے میں مداخلت کرنا پڑی ہے اور صدارتی فرامین کے ذریعے فوجی تنصیبات کو سپلائی منقطع کرنے کے عمل کو قومی سلامتی کے خلاف جرم کے مترادف قرار دینا پڑا ہے۔ وزیر دفاع جنرل پاول گراچیف کے بقول پچھلے سال بجٹ میں مسلح افواج کے لیے فوجی قیادت کی توقعات سے ۶۰ فیصد کم رقوم مختص کی گئیں۔ چنانچہ تقریباً پندرہ لاکھ افراد پر مشتمل فوج کے صرف ایک تہائی افراد کو تنخواہیں مل سکی ہیں۔ مسلح افواج کا مورال بہت گر گیا ہے۔ جوان اپنی جائے تعیناتی سے فرار ہو رہے ہیں۔ اعلیٰ فوجی قیادت میں اختلافات کی خلیج وسیع ہوتی جا رہی ہے۔ آئے دن صدر بورس یلسن کسی نہ کسی جنرل کی برطرفی کے احکامات جاری کرتے رہتے ہیں۔ جنرل الیگزینڈر لیبد، جو جنگ افغانستان کے ہیرو ہیں، کی برطرفی ان خدشات کی بنا پر عمل میں لائی گئی کہ کہیں وہ مسلح افواج میں باغی گروپ کی قیادت نہ سنبھال لیں۔

اقتصادی اصلاحات کے نتیجے میں ۷۰ سالہ پرانا حفظانِ صحت کا نظام بھی متاثر ہو رہا ہے۔ مفت طبّی سہولیات قصۂ ماضی بن چکی ہیں۔ بڑے بڑے آپریشنز کے لیے شہریوں کو مبالغہ امیز فیسیں ادا کرنی پڑتی ہیں۔ دوا سازی پرائیویٹ سیکٹر کو منتقل ہو چکی ہے۔ اور ادویات کی قیمتیں آسمانوں سے باتیں کرتی ہیں اور عام آدمی کی قوت خرید سے باہر ہیں۔

ہاؤسنگ بھی نجی شعبہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور سر چھپانے کے لیے ٹھکانے کا حصول متوسط اور غریب طبقات کے بس سے باہر ہے۔ پرانے دور میں یہ ذمہ داری مملکت کی تھی۔ پبلک ٹرانسپورٹ بھی کمیونسٹ دور حکومت میں انتہائی سستی تھی۔ ہر شہری باسانی اپنے گھر اور مقام ملازمت کے درمیان معمولی کرایہ ادا کر کے سفر کرنے کا متحمل تھا۔ آج جہاں ایک طرف BMW اور مرسیڈیز جیسی گاڑیوں

کے کاروان ماسکو اور دیگر بڑے شہروں کی سڑکوں پر نظر آتے ہیں وہاں عام آدمی پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرنے کا بھی متحمل نہیں ہے"[14]۔

روس کی کمزور خارجہ پالیسی اور اس کے نتیجے میں اُس کی کمزور ہوتی ہوئی عالمی ساکھ پر بھی روسی عوام میں بے چینی اور یلسن انتظامیہ سے مایوسی کے جذبات تقویت پکڑ رہے ہیں۔ مشرقی یورپ کو ناٹو کی سلامتی کی چھتری تلے لانے پر اصرار اور بوسنیا کے مسئلہ پر روسی کردار کی نفی پر مبنی امریکی اور مغربی پالیسیوں نے روسی عوام کے قومی تفاخر کو زبردست ٹھیس پہنچائی ہے۔ روسی عوام اُس وقت کو یاد کرتے ہیں جب سابقہ سوویت یونین کی طاقت مغربی دارالحکومتوں کو خوفزدہ رکھتی تھی۔ وہ جلد از جلد اپنی کھوئی ہوئی ساکھ بحال کرنا چاہتے ہیں۔ مغرب اور امریکہ کے جارحانہ کردار نے اُنہیں مایوس کر دیا ہے۔ وہ روس کے داخلی مسائل کے لیے مغرب اور امریکہ کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ جمہوریت اور منڈی کی معیشت اپنانے کے بدلے میں مغرب اور امریکہ کی طرف سے ملنے والی اقتصادی امداد کے حجم سے اُنہیں مایوسی ہوئی ہے۔ اُنہیں یہ یقین ہو چلا ہے کہ مستحکم اشتراکی معیشت کے اداروں کے متبادل معاشرتی بہبود کے نئے نظام کے لیے درکار اقتصادی امداد کی فراہمی میں مغرب اور امریکہ کی ہچکچاہٹ روسی عوام کی جملہ مشکلات کا سبب ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی طرف انتقال کا ایک نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ کمیونزم کو اس کی خوبیوں اور خامیوں سمیت خیر باد کہہ دیا گیا ہے۔ جب کہ آزاد معیشت اور سرمایہ دارانہ نظام سے منسلک ظلم، معاشرتی فساد، استحصال، رشوت ستانی اور بددیانتی پر کنٹرول کے لیے کوئی نیا نظام وضع نہیں کیا جا سکا ہے۔ چنانچہ روسی معاشرے میں بددیانتی اور رشوت ستانی کا دور دورہ ہے۔ پورا کا پورا نظام بگاڑ اور فساد کا شکار ہے۔ کوئی بھی کام سفارش اور رشوت کے بغیر نہیں ہوتا۔

نج کاری کی بدولت تعلیم کو تجارت بنا دیا گیا ہے۔ نو دریافت سرمایہ دارانہ نظام سے مستفید ہونے والے طبقہ اشراف کے بچوں کے علاوہ غریب اور متوسط طبقات کے لیے اپنے بچوں کی تعلیم جاری رکھنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ کمیونزم کے دورِ حکمرانی میں سب طبقات کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے مساوی حقوق حاصل تھے۔ مزدور کے بچے بھی انجینئرنگ، ڈاکٹری اور نیوکلیر سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔ آج یہ سہولت قصّہ پارینہ بن چکا ہے"[15]۔

جمہوری روس میں معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی اداروں کی اس ابتری کی وجہ سے عام آدمی کو پچھلے چار سال میں مارکیٹ اکانومی اور مغربی سرمایہ داری نے شدید ترین مایوسی کا شکار کر دیا ہے۔ عام روسی کمیونزم کی خوبیوں والے پہلو کو یاد کرنے پر مجبور ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ کمیونسٹ دور اقتدار میں اگرچہ اس کی شہری آزادیوں پر قدغن تھی لیکن اس میں کم از کم اس کی بنیادی ضروریات تو پوری ہوتی تھیں۔ ایک مغربی کالم نگار نے روسی شہریوں سے انٹرویو پر مبنی اپنے ایک کالم میں اس حقیقت کی طرف

اشارہ کیا ہے کہ روس میں کمیونسٹوں اور قوم پرستوں کی حالیہ مقبولیت کی وجہ ماضی کے کمیونسٹ دور حکومت میں معاشرتی بہبود سے متعلق پروگراموں کی یادیں ہیں۔ لی ہوک سٹیڈر نے ایک روسی یوجنی کورنی شین کو یہ کہتے ہوئے نقل کیا ہے۔

> "In the old days if a wife gave her husband I ruble - just I ruble! – he could go buy a pack of cigaretts, a bottle of beer and a metro ticket and still have something left for a snack or small lunch at the cafeteria. These days prices are completely unpridictable. The cheapest sausage is 8,000 rubles a kilo."

> "پرانے دنوں میں جب بیوی شوہر کو ایک روبل دیتی تھی۔ صرف ایک روبل - تو وہ اس ایک روبل سے سگریٹوں کا پیکٹ، ایک بوتل بیئر اور زیرزمین ریلوے کا ٹکٹ خرید سکتا تھا۔ اس کے بعد بھی اُس کے پاس ہلکی پھلکی غذا کے لیے یا کیفیٹیریا میں دوپہر کے ہلکے کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ بچ جاتا تھا۔ آج کل تو قیمتوں کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔ سستی سے سستی سایج [قیمہ بھرا کھانا] بھی آٹھ ہزار روبل فی کلو ہے۔"[١٦]

یوجنی کورنی شین کے اِن الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کمیونسٹ نظام میں سماجی تحفظ اور معاشی بہبود سے متعلق سہولیات کی یادیں عام روسی شہری کے ذہن میں پھر سے تازہ ہو رہی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ لوگ کمیونزم کے عشق میں از سر نو مبتلا ہو رہے ہیں۔ بنیادی طور پر اِس nostalgia کی وجہ وہ crude اور غیر مہذب کیپیٹلزم ہے جو روس میں یلسن کی جمہوریت نواز انتظامیہ نے متعارف کرایا ہے۔ اور جس کی وجہ سے عام شہری کا جینا دوبھر ہو گیا ہے۔ انسانی نفسیات یہ ہے کہ وہ ناخوشگوار اور تکلیف دہ لمحات کو جلد از جلد فراموش کر دیتا ہے۔ مصیبتوں کو بھلا دیتا ہے۔ جب کہ خوشی کے لمحات اور آسائشوں کی یاد مشکل ہی سے اس کے ذہن سے محو ہوتی ہے۔ روسی شہری سوویت عہد میں اشیائے صرف کے لیے لمبی قطاروں اور دکانوں کی خالی شیلفوں کو بھلا بیٹھا ہے۔ لیکن اسے یہ بات اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت سایج تقریباً دو روبل فی کلو بکتا تھا۔ تنخواہیں بروقت ملتی تھیں۔ علاج معالجے کی سہولیات عام تھیں۔ بچوں کی تعلیم کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ قیمتوں میں استحکام تھا۔ ذریعہ معاش اور رہائش کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری تھی۔

اِن حالات میں یہ امر فطری تھا کہ کمیونسٹ پارٹی کی عوامی مقبولیت میں اضافہ ہو۔ روسی آبادی کی اکثریت اصلاحات کی سست رفتاری اور اُس سے وابستہ اقتصادی اور معاشرتی اتھل پتھل سے پریشان

ہے۔ ان کے نزدیک جمہوری اصلاحات کا واحد مقصد [یا کم از کم نتیجہ] غریب کی جیب خالی کر کے اُسے مسائل و مشکلات کے ایک لامتناہی سلسلے کے حوالے کرنا اور دوسری طرف ایک منتخب طبقہ اشراف کو ہر طرح سے نوازنا ہے۔ جمہوریت نواز یبلوکو پارٹی [یا بلاک] کے لیڈر اور روسی پارلیمنٹ کے ممبر گریگوری یافلنسکی کے بقول:

"... democratic reforms have become associated in too many minds with robbing the people and imposing hardships on the many for the benefit of the few."

"... بہت سارے شہریوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ جمہوری اصلاحات کا لوگوں کو لوٹنے اور اقلیت کو خوش کرنے کے لیے اُنہیں مشکلات سے دوچار کرنے کے عمل کے ساتھ [گہرا] ربط ہے۔"[17]

ان عوامی جذبات سے فائدہ اٹھانے میں کمیونسٹوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اُنہوں نے عوام سے غیر قانونی نج کاری روکنے اور کسی حد تک مرکزیت پسند معاشی پالیسیوں کا وعدہ کیا۔ سوویت یونین کی ازسرِ نو تعمیر اور روس کی بحیثیت سپر پاور ساکھ بحال کرنے کو اپنا انتخابی نعرہ بنایا۔ بددیانتی اور جرائم پر قابو پانے کو اپنے منشور میں شامل کیا۔ کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر جنادی زیوگا نوف نے بعض مواقع پر متضاد بیانات بھی دیے۔ ایک طرف تو اُنہوں نے ملکی رائے عامہ کو خوش کرنے کے لیے اور اپنا ووٹ بینک بڑھانے کے لیے جمہوری اصلاحات کے خلاف سخت ترین زبان استعمال کی اور اُسے تمام تر عوامی مشکلات کی بنیاد قرار دیا۔ دوسری طرف اُنہوں نے مغربی نامہ نگاروں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے ہمیشہ یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ وہ اور اُن کی پارٹی کے دیگر زعماء "سوشل ڈیموکریسی" پر یقین رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کمیونسٹ کسی بھی صورت میں غیر ملکی سرمایہ کاری اور مغربی اقتصادی امداد کی بندش کے متحمل نہیں ہیں۔ اس لیے وہ جمہوری اور اقتصادی اصلاحات کے خلاف بات کرتے ہوئے انتہائی احتیاط سے کام لیتے رہے۔ اُن کے مطابق وہ اصلاحات کے مثبت پہلوؤں کو جاری رکھیں گے۔ لیکن اقتصادیات کو مکمل طور پر "مارکیٹ فورسز" کے حوالے کرنے کی کمیونسٹوں نے کھل کر مخالفت کی۔ کمیونسٹ پارٹی کے ایک ماہر اقتصادیات نکولائی سولی بائیف کے مطابق:

"The state can not avoid managing the economy."

"مملکت معیشت کا نظم و نسق سنبھالنے کے فرض کو فراموش نہیں کر سکتی۔"[18]

بڑی طاقت کی حیثیت سے روس کی بین الاقوامی ساکھ کی بحالی اور معاشرتی بہبود سے متعلق پروگراموں کی بحالی کے وعدوں نے کمیونسٹوں کی عوامی مقبولیت بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ روسی شہری اصلاحات کی موجودہ سست رفتاری سے اس حد تک مایوس ہیں کہ وہ بڑی شدت سے اُس وقت کا

انتظار کر رہے ہیں جب اقتدار پر ایسے لوگوں کی گرفت ہوگی جو وقت کا پہیہ پیچھے کو گھمادیں گے۔ چاہے ایسا اصلاحات کے طریق کار میں بنیادی تبدیلیاں کر کے کیا جائے تا پھر اصلاحات کو یکسر خیر باد کہہ کر۔ جمہوری اصلاحات ترک کرنے کا انجام کیا ہوگا؟ روسی رائے دہندگان کے لیے یہ موجودہ مسئلہ نہیں تھا۔

انتخابات میں جن بڑی بڑی پارٹیوں نے حصّہ لیا اُن میں جنادی زیوگانوف کی کمیونسٹ پارٹی، کٹر قوم پرست ولادیمیر زرنوفسکی کی لبرل ڈیموکریٹک پارٹی، وزیر اعظم چرنومیر دین کی "ہمارا گھر روس ہے" پارٹی، گریگوری یافلنسکی کی یبلوکو ریفارمسٹ پارٹی، سابق وزیر اعظم ییے گورگیدر کی "روس کی جمہوری پسند پارٹی"، الیئصتینا فیڈولوفا کی سربراہی میں "خواتین روس" پارٹی اور یوری سکوکوف کی "کانگریس آف رشین کمیونیٹیز" پارٹی شامل ہیں۔

زیرِ نظر سطور لکھنے تک منظرِ عام پر آنے والے انتخابی نتائج کے مطابق کمیونسٹ پارٹی کو اکثریت کے ذریعے نشستوں کے حصول والے ۲۲۵ حلقہ ہائے انتخاب میں اٹھاون سیٹوں پر کامیابی حاصل ہوئی ہے جب کہ متناسب نمائندگی والے حلقہ ہائے انتخاب کے حلقوں میں اُسے تقریباً ۲۲ فیصد ووٹ ملے ہیں۔ توقع ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کے مجموعی ممبران کی تعداد ۱۷۰ سے تجاوز کر جائے گی۔ روسی پارلیمنٹ کی ایوانِ زیریں کی ۴۵۰ سیٹیں ہیں جن میں سے آدھی نشستوں پر سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والے کو کامیاب قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ باقی ادھی نشستوں پر متناسب نمائندگی کے اصول کے تحت انتخاب کرایا جاتا ہے۔

زرنوفسکی کی لبرل ڈیموکریٹک پارٹی کو مجموعی طور پر اکاون (۵۱) سیٹیں ملی ہیں۔ وزیر اعظم چرنومیر دین کی پارٹی پچپن (۵۵) نشستیں حاصل کر سکی ہے۔ جب کہ گریگوری یافلنسکی کی یبلوکو پارٹی کو مجموعی طور پر پینتالیس (۴۵) کے قریب نشستیں حاصل ہو سکی ہیں۔ واضح رہے کہ متناسب نمائندگی والے حلقہ ہائے انتخاب میں پانچ فیصد ووٹ حاصل کرنے کی شرط صرف یہی چار پارٹیاں پوری کر سکی ہیں۔ اکثریت کے ذریعے نشستوں کے حصول والے حلقہ ہائے انتخاب میں کمیونسٹوں کی حلیف جماعت اگریرین پارٹی کو ۲۰ نشستیں ملی ہیں۔ تاہم وہ متناسب نمائندگی والے حلقہ ہائے انتخابات میں پانچ فیصد ووٹوں کے حصول کی شرط کو پورا نہیں کر سکی ہے۔

بعض چھوٹی پارٹیوں کی طرف سے انتخابات میں دھاندلی کے الزامات بھی لگائے جارہے ہیں۔ جنرل الیگزینڈر لیبد نے، جو کانگریس آف رشین کمیونیٹیز پارٹی کے سربراہ ہیں اور اگلے صدارتی انتخابات میں صدر یلسن کے متوقع حریف ہیں، نے انتخابی نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"What has happend is clearly falsification."

"جو کچھ بھی ہوا ہے یہ واضح طور پر جعل سازی ہے۔"[۱۹]

کمیونسٹ پارٹی کی کامیابی کے عملی نتائج کیا ہوں گے؟ یہ ایک خاصا پیچیدہ سوال ہے۔ اول تو

کمیونسٹ پارٹی کو ایوان میں اکثریت حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ اور اگر بالفرض کمیونسٹ پارٹی اپنی ہم خیال اگریرین پارٹی اور ژرنوفسکی کی قوم پرست لبرل ڈیموکریٹک پارٹی کے ساتھ اتحاد کر لیتی ہے۔ تب بھی اسے روسی دستور کے تحت صدر کو حاصل وسیع تر اختیارات کو چیلنج کرنے کے لیے مطلوبہ دو تہائی اکثریت حاصل ہوتی نظر نہیں آتی۔ ہاں البتہ اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ کمیونسٹ پارٹی اور اُس کے حلیف یلسن انتظامیہ کے خلاف ایک مضبوط تر اپوزیشن کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ صدر اس بات کا پابند نہیں ہے کہ وہ وزیر اعظم اکثریتی پارٹی سے نامزد کرے۔ مزید یہ کہ اگر پارلیمنٹ دو بار صدر کے نامزد کردہ وزیر اعظم کو مسترد کر دے تو صدر کو پارلیمنٹ ہی برخواست کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ صدر صدارتی فرمین کے ذریعہ کاروبار حکومت چلا سکتا ہے۔ اِس لیے یہ بات طے ہے کہ آئندہ صدارتی انتخابات تک روسی سیاست میں کسی بہت بڑی تبدیلی کا امکان کم ہے۔

زیادہ امکان یہ ہے کہ کمیونسٹ اور قوم پرست پارلیمنٹ میں اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بعض ایسے مسائل اور معاملات کو اٹھائیں گے جن سے اُن کی عوامی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ ہو۔ اصل معرکہ اگلے صدارتی انتخاب کے موقع پر ہوگا۔ جو جون ۱۹۹۶ء میں منعقد ہوں گے۔ صدارتی انتخاب تک صدر یلسن اور وزیر اعظم چرنومیر دین کی شروع کردہ جمہوری اور اقتصادی اصلاحات کو کوئی بڑا خطرہ درپیش نہیں ہے۔ کمیونسٹوں اور قوم پرستوں کو بعض اہم پارلیمنٹری کمیٹیوں کی سربراہی ملنے کا امکان ہے۔ مزید یہ کہ پارلیمنٹ میں ایک خاصی بڑی قوت کا مالک ہونے کی حیثیت سے وہ نج کاری سے متعلق قانون سازی میں اس انداز سے روڑے اٹکا سکتے ہیں جس سے ایک تو کاروبارِ حکومت معطل ہوگا اور دوسرے اُن کی عوامی مقبولیت میں اضافہ ہوگا۔

کمیونسٹوں کی کامیابی کے نتیجے میں یلسن انتظامیہ پہلے ہی دباؤ کا شکار ہے۔ بعض مغرب نواز وزیروں کے فارغ کیے جانے کا امکان ہے۔ وزیر خارجہ کوزیروف انتخابات سے قبل سے ہی اپنے فرائض سے سبکدوش کیے جانے والے تھے۔ معاشی پالیسیوں کے ضمن میں اس بات کا امکان ہے کہ یلسن انتظامیہ پارلیمنٹ میں موجود بائیں بازو کی پارٹیوں کے دباؤ میں سماجی تحفّظ اور مفادِ عامّہ سے متعلق معاشرتی ترجیحات [social priorities] کو اپنی حکومت کے پروگرام میں شامل کر لیں گے۔ خارجہ پالیسی میں اگرچہ کسی بڑی تبدیلی کا امکان نہیں ہے تاہم یہ ضرور ہوگا کہ یلسن انتظامیہ روس کی "قومی مفادات" کے حوالے سے اب پہلے سے زیادہ سخت مؤقف [tougher line] اختیار کرے گی۔

یہ بات طے ہے کہ اگر جون ۱۹۹۶ء میں منعقد ہونے والے صدارتی انتخابات سے قبل نئی پارلیمنٹ نے صدر یلسن کے لیے کچھ زیادہ رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی تو شکست ۱۹۹۳ء کی طرح پارلیمنٹ کی ہی ہوگی۔ یہ امر تقریباً ناممکن ہے کہ پارلیمنٹ کی نئی طاقتیں صدر یلسن کو منصب صدارت سے ہٹا دیں۔ ۱۹۹۳ء کی مثال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے پارلیمنٹ کی یلسن مخالف قوتوں کی

حکمت عملی یہ ہوگی کہ قومی مسائل پر یلسن انتظامیہ کی پالیسیوں کو زبردست تنقید کا نشانہ بنا کر صدر یلسن کی مقبولیت کو کم سے کم کر دیا جائے۔ تاہم اُن کی کوشش ہوگی کہ صدر یلسن سے براہِ راست تصادم سے بہرحال گریز کیا جائے۔

چونکہ روسی سیاست میں منصب صدارت کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ روسی دستور کے تحت صدر کو لامحدود اختیارات حاصل ہیں۔ وہ پارلیمنٹ کے سادہ اکثریت والے فیصلوں کو ویٹو کر سکتا ہے۔ لہذٰا پارلیمنٹ کی اکثریتی پارٹی کو بھی [جب تک اسے دو تہائی اکثریت حاصل نہ ہو] اپنے پروگرام پر عمل کرنے کا موقع صرف اُس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب منصب صدارت پر اُس کا اپنا آدمی فائز ہو۔ اس تناظر میں جون ۱۹۹۶ء میں منعقد ہونے والے صدراتی انتخابات انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ آئیے دیکھتے ہیں اِن صدارتی انتخابات کے متوقع امیدوار کون ہیں اور اُن کی متوقع حکمتِ عملیاں کیا ہوں گی۔

صدر بورس یلسن

صدر یلسن کی خرابیٔ صحت اور اُنہیں بار بار عارضہ قلب لاحق ہونے کی وجہ سے یہ امکان بھی ہے کہ وہ آئندہ صدارتی انتخابات میں حصہ نہ لیں۔ لیکن آثار یہی ہیں کہ وہ دوسری بار صدر منتخب ہونا پسند کریں گے۔ وہ جمہوری اور اقتصادی اصلاحات کی تکمیل چاہتے ہیں۔ جس کے لیے وہ کرسی صدرات پر اپنی موجودگی ضروری سمجھتے ہیں۔ صدر یلسن کو اپنی گرتی ہوئی مقبولیت کا شدت سے احساس ہے۔ وہ کمیونسٹ نواز عناصر اور اصلاحات سے نالاں رائے دہندگان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے نظر آرہے ہیں۔ اُنہیں امید ہے کہ آئندہ پانچ ماہ کے دوران بدعنوانی اور رشوت ستانی کے خلاف ایک مؤثر اور کامیاب مہم کے ذریعہ وہ ووٹروں کی ہمدردیاں دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ وہ ناکامیوں کے لیے اپنی کابینہ کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے متعلقہ وزیر کو سبکدوش کرنے کی روش اپنائیں گے۔ اپنی صحت سے متعلق عوامی خدشات کا علاج وہ متوقع طور پر یہ سوچیں گے کہ نائب صدر کے عہدہ کی تخلیق کر لیں گے۔ یہ بھی بعید از امکان نہیں ہے کہ تمام تر کوششوں کے باوجود انتخابات میں اپنی ناکامی کا یقین ہونے کے بعد وہ انتخابات کے انعقاد کو ملتوی کر دیں۔

وزیر اعظم وکٹر چرنومیردین

صدر یلسن کے سامنے ایک راستہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی خرابیٔ صحت کے بہانے انتخابات سے قبل ہی عہدۂ صدارت سے سبکدوش ہو جائیں۔ دستور کے مطابق وزیر اعظم چرنومیردین قائم مقام صدر بن جائیں گے۔ اگرچہ چرنومیردین، دستور کے مطابق، تین ماہ کے اندر صدارتی انتخابات کے انعقاد

کے پابند ہوں گے۔ تاہم تین ماہ کے عرصہ کے دوران وہ بعض انقلابی اقدامات کر کے اپنے متوقع حریفوں پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے۔ مزید یہ کہ وہ کوشش کریں گے کہ جمہوریت نواز اور اصلاحات پسند پارٹیوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے اُن کے ووٹوں کو تقسیم ہونے سے بچالیں۔ اگرچہ اس صورت میں یہ بھی امکان ہے کہ منصب صدارت کے لیے متفقہ امیدوار کا قرعہ چیر نومیر دین کی بجائے کسی اور کے نام نکل آئے۔ [مثلاً یبلو کو پارٹی کے سربراہ گریگوری یافلنسکی یا "روس کی جمہوری پسند" پارٹی کے سربراہ یے گور گیدر]

جنرل الیگزینڈر لیبد

اگرچہ جنرل الیگزینڈر لیبد کی پارٹی، کانگریس آف رشین کمیونیٹیز، کی کارکردگی کچھ زیادہ اچھی نہیں رہی ہے۔ وہ متناسب نمائندگی والے حلقہ ہائے انتخاب میں نشستوں کے حصول کے لیے پانچ فیصد ووٹوں کے حصول کی شرط کو پورا نہیں کر سکی ہے۔ لیکن ذاتی مقبولیت کی بناء پر وہ صدارتی امیدوار کے طور پر سامنے آسکتے ہیں۔ امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورتحال، بدعنوانی اور جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح پر زبردست تشویش میں مبتلا روسی رائے عامہ جنرل لیبد کی مضبوط شخصیت کی وجہ سے اُن کے حق میں فیصلہ دے سکتے ہیں۔ جنرل لیبد بہر صورت یہ چاہیں گے کہ صدارتی انتخاب میں اُن کا مقابلہ کمزور صدر یلسن سے ہو۔

جنادی زیوگانوف

کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ جنادی زیوگانوف جون ۱۹۹۶ء کے صدارتی انتخابات کے ایک ایسے امیدوار ہیں جن کو شکست دینے کے لیے جمہوریت نواز اور اصلاحات پسند پارٹیوں کے لیے آپس میں اتحاد کرنا ہوگا۔ اگر اصلاحات پسندوں کی صفوں میں انقسام بدستور برقرار رہا تو امکان یہی ہے کہ جنادی زیوگانوف کو روس کی کرسی صدارت تک پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ جنادی زیوگانوف عوامی جذبات سے کھیلنے کے فن میں ماہر ہیں۔ وہ بڑھتی ہوئی قیمتوں، کم تنخواہوں، لاقانونیت اور روسی معاشرے میں عدم تحفظ کے احساس جیسے مسائل کو صدر یلسن اور اصلاحات پسندوں کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کریں گے۔ اگر حکومت ان مسائل کو حل کرنے کے لیے کوئی اقدام کرتی ہے تب بھی اُس کا "کریڈٹ" زیوگانوف کو جائے گا۔ اور جیسا کہ توقع ہے، اگر حکومت ان مسائل کے فوری حل میں ناکام رہتی ہے تو بھی زیوگانوف کی عوامی تائید میں زبردست اضافہ ہوگا۔ زیوگانوف کو کریملن تک پہنچنے سے روکنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ روس کی تمام اصلاحات پسند طاقتیں اُن کے خلاف اتحاد قائم کرلیں۔ اور ساتھ ساتھ اصلاحات کے ایک ایسے قابلِ قبول پروگرام پر بھی متفق ہوجائیں جو سماجی تحفظ اور غربت

اور متوسط طبقات کی معاشی ضروریات کی تکمیل کی ضمانت فراہم کرے۔

گریگوری یافلنسکی

گریگوری یافلنسکی ایک ماہرِ اقتصادیات ہیں۔ مغربی سیاسی حلقوں میں صرف اُنہیں ہی صحیح معنوں میں جمہوریت نواز اور اصلاحات پسند روسی سیاسی لیڈر سمجھا جاتا ہے۔ گریگوری یافلنسکی یہ چاہیں گے کہ قوم پرستوں اور کمیونسٹوں کے زیادہ سے زیادہ امیدوار میدان میں آئیں۔ تاکہ اُن کے ووٹ تقسیم ہوں اور وہ ایک دوسرے کو ناک آؤٹ کر دیں۔ اُن کی "سپورٹ بیس" وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اصلاحات کے پروگرام سے فوائد اٹھائے ہیں۔ اُن کی کوشش ہوگی کہ اُنہیں تمام اصلاحات پسند عناصر کی تائید حاصل ہو۔ وہ اصلاحات پسند حلقوں میں اپنے مخالفین کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کریں گے کہ اصلاحات جاری رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک مضبوط اصلاحات پسند شخصیت کی مل کر حمایت کی جائے۔ وہ صدر یلسن، چرنومیردین اور اصلاحات پسندوں کے متوقع دیگر صدارتی امیدواوں کو الیکشن سے دستبردار کرانے کے لیے کام کریں گے۔ گریگوری یافلنسکی کو بعض مغربی دارالحکومتوں کی ہمدردیاں بھی حاصل ہیں۔ امکان ہے کہ یہ مغربی دارالحکومتیں بھی یافلنسکی کی کریملن تک رسائی کے لیے مقدور بھر کوششیں کریں گی۔

روس کے سیاسی مستقبل کے تعین کے سلسلے میں جون ۱۹۹۶ء میں منعقد ہونے والے صدارتی انتخابات انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ روس ایک جمہوری ملک رہے گا؟ یا پھر یہاں نئے سرے سے ایک مطلق العنان استبدادی حکومت قائم ہوگی جو سوویت یونین سے آزادی حاصل کرنے والے نوآزاد ممالک کو پھر سے ماسکو کے حلقۂ اقتدار میں شامل کرنے کے پروگرام پر گامزن ہوگی؟ اِن سوالوں کے جوابات آنے والا وقت ہی دے سکتا ہے۔

حواشی

1. Reuter report published by daily *Dawn*, Karachi, Oct 2, 1995.
2. *Dawn*, Karachi, Oct 2, 1995.
3. Ibid.
4. The *Nation*, Oct 29, 1995.
5. *Dawn*, Oct 31, 1995.
6. Ibid, Nov 6, 1995. See also Lee Hockstader, "Russia's Popular Reform Party Disqualified," *Washington Post*, reproduced by *Dawn*, Oct 31, 1995.
7. *Dawn*, Nov 7, 1995.
8. *The News*, Islamabad/Rawalpindi, Nov 11, 1995.

9. Ibid, Nov 5, 1995.
10. Lee Hockstader, "Russians Begin to Contemplate Politics in post-Yeltsin Era," *The Washington Post*, reproduced by *The News*, Oct 30, 1995. See also AFP report "Background Measures as Boris Yeltsin Rests," published by *The News*, Oct 29, 1995.
11. AFP report published by *The Nation*, Oct 30, 1995.
12. *Los Angeles Times'* report, "79 Swindlers, ex-Convicts on Russian Ballot," published/reproduced by *Dawn*, Oct 27, 1995. See also Geoffery York, "Russian Outlaws Yearning to Become Lawmakers," *Dawn*, Oct 14, 1995.
13. AFP report published by *The Nation*, Nov 18, 1995.
14. Dr Y. Tanvir Gondal, "Communist Resurgence: Causes and Prospects," *The Nation*, Dec 30, 1995. See also Shamim Akhtar, "Is Nostalgia the Only Factor," *Dawn*, Jan 2, 1996.
15. Shamim Akhtar, Ibid.
16. Lee Hockstader, "Nostalgia Feeds Communist Comeback in Russia," *Dawn*, Nov 14, 1995.
17. Grigori A. Yavlinsky [The leader of Russia's liberal Yabloko bloc], "Russia: Making Democracy Work," *Dawn* Oct 1, 1995. See also Archie Brown, "Russia's Democracy in Danger," *Los Angeles Times*, published/reproduced by *Dawn*, Oct 4, 1996.
18. Andrew Nagarsky, "Reasons to Be Fearful," *Newsweek*, Dec 18, 1995.
19. *The Nation*, Dec 21, 1995.